بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایک سچا داعئ حق اپنا فرض ادا کر ہی نہیں سکتا، اگر اس کی زندگی رزقِ حلال پر نہ گذر رہی ہو۔ وہ اگر دنیوی لذات اور نعمتوں کی تکثیر اور معیارِ زندگی کی مسابقتِ عام میں شریک ہو جاتا ہے تو اوّل تو اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں بچتا کہ وہ عوام میں دعوت پھیلانے کا کام کر سکے، اور اگر وقت بچتا ہے تو اس کا تھکا ماندہ درماندہ دماغ اور جسم اپنی قوتیں پوری طرح نچوڑ چکا ہوتا ہے۔ وہ اگر تحریک کی خدمت کرنے کے لیے اُٹھتا بھی ہے تو پوری صلاحیت سے کام نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں حرام آمدنی کو اپنی معاش میں شامل کر لینے کے بعد اس کا ضمیر مجروح ہو جاتا ہے اور اخلاقی کمزوری اس پر چھا جاتی ہے۔ مجروح ضمیر اور کمزور اخلاق کے ساتھ دعوتِ حق کے میدانِ کشمکش میں جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔ بے دلی یا نیم دلی سے، جامد انداز سے اور اکھڑے اکھڑے لہجے کے ساتھ کونسا کارنامہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ میں اپنے یارانِ طریق سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ نہ صرف اپنی ذات کی حد تک رزقِ حلال کی پابندی کریں بلکہ اُس کو اپنی دعوت کا ایک نکتہ بنا لیں اور اُس کے لیے پوری سرگرمی سے کام لیں۔

اسی احساس کے ساتھ میں یہاں اپنا ایک صدارتی خطاب پیش کر رہا ہوں جو شام ہمدرد (مورخہ یکم اپریل ۱۹۸۲ء) کی تقریب منعقدہ لاہور میں پڑھا گیا (ن - ص)

آج ہم ایک ایسے غیر صحت مند ماحول میں گھرے ہیں کہ ہمارے ضمیر زخم زخم ہیں، اور ایک اضطرابِ مسلسل

ہمارے عروق و اعصاب پر چھایا ہوا ہے۔ ہر کوئی اپنی روحانی تونس میں مبتلا ہو کر مادیت کے سرابوں کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اور جتنا بھاگتا ہے، تونس بڑھتی جاتی ہے۔ اور کوئی سراب ایسا نہیں جو ایک گھونٹ پانی فراہم کر سکے۔

اس مادہ پرستانہ دورِ زندگی نے آدمی کی ساری توجہ جسمانی زندگی پر مرتکز کرا دی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے جسم کی آسائشوں کے لیے رنگارنگ سامانوں کے انبار لگا دیے ہیں۔ انسان ہوائے نفس کے آسیب کا شکار ہو گیا ہے۔ انسانی دل و دماغ کی ساری دلچسپیاں خواہشوں کے رنگین کھلونوں اور غباروں کے گرد جمع ہو گئی ہیں۔ دولت خادمِ انسان ہونے کے بجائے صنم خانۂ تمدن کا مہا دیوتا بن گئی ہے۔ معیارِ زندگی کی پرستش شروع ہو گئی ہے۔ لوگ ناجائز کمائیوں کے گندے پانی کے سیلِ تند میں بہ رہے ہیں اور بہتے ہوئے غوطے بھی کھا رہے ہیں۔ رزقِ حرام کے طوفان میں جیسے ہر شخص جہازِ عمرِ رواں پر بے اختیار بیٹھا ہو۔ جس کا کوئی بادبان ہے نہ ساحل!

تشویشناک حقیقت یہ ہے کہ دولت پرستی اور جذبۂ خدمت، یا رزقِ حرام اور حسنِ اخلاق آپس میں شدید تضاد رکھتے ہیں اور آپس میں ملتے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ جس شخص نے جان بوجھ کر حرام کی روزی کمائی۔ اُس نے حُسنِ اخلاق کے دروازے اپنے اُوپر بند کر لیے۔ اور جس کے ہاں حُسنِ اخلاق نہیں ہے اُس کی روزی کبھی پاکیزہ نہیں رہ سکتی۔ رزقِ حرام کے ساتھ بعض افراد میں جو اخلاق پایا جاتا ہے وہ محض ایک خول ہوتا ہے۔

اللہ نے اپنے تمام انبیاء کو، اور انبیاء کی معرفت ان کی پیرو اُمتوں کو یہ اُصولی ہدایت دی کہ یاَیُّھَا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (المومنون ـ ۲۳) ۔ یعنی اے میرے رسولو! پاکیزہ روزیاں کھاؤ اور عملِ صالح پر کاربند رہو۔ چھ سات الفاظ کا یہ مختصر ارشاد ایسا ہے کہ اُصولی طور پر قریب قریب پورے دین کا منشا اس میں آ گیا ہے۔ اگر کوئی شخص رزقِ حلال و طیب کی پابندی کے ساتھ عملِ صالح میں زندگی گزارتا ہے تو گویا اُس نے حسنۂ دنیا کو بھی پالیا تھا اور حسنۂ آخرت کو بھی! اس مختصر سے کلمہ میں یہ نمایاں اشارہ موجود ہے کہ پاکیزہ روزی یا حلال رزق کے بغیر اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کا ہونا ممکن نہیں، اور اسی طرح اعمالِ حسنہ یا اخلاقِ عالیہ سے جس شخص کی زندگی خالی ہو، یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنا دامنِ معیشت حرام کی آلائشوں سے بچائے گا اور رزقِ حلال کمانے کے لیے

غیر معمولی جہد و مشقت کرے گا۔ حضورؐ نے بروایت عبداللہ بن مسعود فرمایا کہ رزقِ حلال کا کسب فرض ہے۔

دراصل جب کوئی شخص پہلی بار ناجائز کمائی حاصل کرنے کے لیے میدان میں بڑھتا ہے تو کسی نہ کسی اخلاقی اصول کو توڑتا ہے، بلکہ بیک وقت ایک سے زیادہ اخلاقی تقاضوں کو پامال کرتا ہے۔ جھوٹ، بددیانتی، کام چوری، ناپ تول میں گڑبڑ، ملاوٹ، غصب، سود، رشوت، جعل سازی، سفارشِ بے جا، عہدہ و اختیار کا ناجائز استعمال یا اسی طرح کی غلط حرکات میں سے جن جن کو وہ مفیدِ مطلب پائے گا، اختیار کرے گا۔ ایسے اقدام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ضمیر زندہ کا جو احساسِ حیا غلط کاموں میں رکاوٹ بنتا ہے وہ پہلے کمزور، پھر غیر مؤثر اور پھر کالعدم ہو جاتا ہے۔ یہی احساسِ حیا جو ایک شعبۂ ایمان ہے، ہمیں خیانتِ نگاہ سے روکتا ہے، قولِ بد سے روکتا ہے، ناشائستگی سے روکتا ہے، دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے روکتا ہے، بے انصافی سے روکتا ہے، بددیانتی سے روکتا ہے، جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے روکتا ہے۔ مگر جو شخص حرام کمائی کی راہ پر پڑتا ہے وہ پہلے اسی احساسِ حیا کا گلا گھونٹتا ہے۔ حرام کے دس روپے حاصل کرنے والا آدمی کسی دوسرے فریق کو تھوڑا سا مالی نقصان ہی نہیں پہنچاتا، بلکہ اپنے اندرون میں ایک گراں بہا قوت کا قتل کر رہا ہوتا ہے۔ پس جس معاشرے میں حرام کمائیاں عام ہو جائیں اور یہ کہا جانے لگے کہ حرام سے بچنا ناممکن ہے، اس معاشرے میں لازمی طور پر اخلاقی اقدار برباد ہونے لگیں گی۔ آپس کا انسانی احترام ختم ہو جائے گا، بڑوں کا ادب ختم ہو جائے گا۔ چھوٹوں کے لیے شفقت نہیں رہے گی، نسائیت کا وقار اور امومت کا تقدس نہیں رہے گا، وعدوں پر اعتبار نہیں کرے گا، لوگوں میں احساسِ تحفظ ختم ہو جائے گا، بلکہ بات اور آگے بڑھے گی، اور بات بات پر لوگ "نشتر" کے چھرے لگانے لگیں گے، ہر معاملے میں دھینگا مشتی ہوگی، طبیعت کا ذرا سا "تکدر" انتقام کا روپ دھار لے گا، ہر اختلاف پر نفرت بھڑکے گی، ہر ناپسندیدہ واقعہ پر بے قابو اشتعال پیدا ہوگا ___ اور ان احوال کے نتیجے میں بہیمانہ جرائم کا ایک طوفان اُمڈ پڑے گا۔ جبھی تو رسولِ مقبولؐ نے فرمایا: حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ۔ یعنی دنیا یا دولتِ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اب یہ آپ خود سوچ لیجیے کہ کیا آپ ایسے ہی حالات سے دوچار نہیں ہیں۔

اگر اخلاقی قدروں کے نقصان کی وجہ سے زندگی زہرناک بنتی جا رہی ہے تو اس صورتِ حالات

سے جلد نکلنے کی فکر کیجیے، ورنہ جتنا جتنا آگے بڑھیں گے، پیچھے پلٹنا روز بہ روز مشکل ہوتا جائے گا۔ اس اذیت ناک صورتِ حالات سے نکلنے کی ایک مؤثر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے دل کے نہاں خانے میں اُتر کر اپنے خدا سے عہد باندھیے کہ میں رزقِ حلال حاصل کرنے کی بھرپور سعی کروں گا اور حرام کا ایک ذرہ اور ایک قطرہ بھی اپنی زندگی میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ میں لمبی چوڑی حسرتوں اور آرزوؤں کے محلات میں اپنے آپ کو قید نہیں رکھوں گا، بلکہ جتنی کچھ حلال و طیب روزی مل سکے گی، اسی پر اکتفا کروں گا۔ رزقِ حلال کے سچے طالب کو دوسروں پر رشک و حسد کی عادت چھوڑ کر متوسط یا غریبانہ گذران کو ہنسی خوشی سے قبول کر لینا چاہیے۔ آپ اپنے بیوی بچوں کو حرام سے بچائیں، چاہے آپ کو بہت سی آسائشیں حاصل نہ ہوں۔ آپ اس کی پروا نہ کریں کہ اونچے لوگوں سے آپ کی دوستی نہیں چل سکتی، یا آپ زندگی کی تقریبوں میں ٹھاٹھ باٹھ نہیں دکھا سکتے، یا آپ مفاخرت کے میدان میں دوسروں سے بڑھ نہیں سکتے۔ رزقِ حلال پر بسر ہونے والی زندگی خود اپنے اندر بڑائی رکھتی ہے اور یہ ایسا پودا ہے جو چاہے قد اور پھیلاؤ میں چھوٹا رہے مگر اس پر حسنِ اخلاق کے لالہ و گل کھلا کرتے ہیں۔ رزقِ حرام سے نشوونما پانے والی مصنوعی زندگی کے درخت پر اخلاقی لحاظ سے حنظل اور مغیلاں نمودار ہوتے ہیں۔

اب میں حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بیان کرتا ہوں جو کسی بھی صاحبِ ایمان کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک روایت میں اُس شخص کی مثال بیان کی ہے جس کے متعلق حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ لمبا سفر کر کے آتا ہے، اُس پر تھکن طاری ہے اور اُس کا جسم اور لباس غبار آلود ہے، مگر اس کے شوقِ عبادت کا یہ عالم ہے کہ وہ نہایت بے تابی سے خدا کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر پکارتا ہے ــــ "یا ربّ! یا ربّ!" حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس کی دعا اور پکار کیا اثر دکھائے جب کہ اُس کا کھانا حرام کا ہے اور اُس کا لباس حرام کا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دس درہم کا ایسا لباس پہن کر عبادت کرے جس میں ایک درہم حرام کا شامل ہے تو جب تک یہ لباس اُس کے بدن پر ہے، اُس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضورؐ کا یہ ارشاد ہم تک پہنچاتے ہیں کہ حرام کمائی کا سارے کا سارا مال اگر صدقہ کر دیا جائے تو اُس کا کوئی ثواب نہیں، اور اُس مال سے اگر نان و نفقہ کا انتظام کیا جائے تو اس میں برکت نہیں

ایک روایت اور! حضرت جابرؓ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ہم تک پہنچاتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ وہ گوشت جس کی پرورش حرام سے ہوئی ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، اُس کی جگہ جہنم میں ہے۔

آدمی دُنیا پرستی کی رَو میں پڑکر بڑی بڑی حقیقتوں سے غافل رہتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث یہ بتاتی ہے کہ آدم کے کسی بیٹے بیٹی کے قدم آخرت کی عدل گاہ کے کٹہرے سے ہل نہیں سکیں گے جب تک وہ چند بنیادی سوالات کا جواب نہ دے لے۔ ان میں سے ایک سوال یہ ہے کہ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَ وَفِیْمَ اَنْفَقَ۔ نہایت خوفناک سوال ہے۔ ایک ایک پیسے کے متعلق ـــــ زمین، مکان، کاروبار، ملازمت، خرید و فروخت ـــــ ہر چیز کے بارے میں یہ جواب دینا کہ کونسی آمدنی کہاں سے اور کس طریقے سے حاصل کی گئی اور پھر کن مقاصد و مشاغل کے لیے خرچ کی گئی، کوئی سہل امر نہیں ہے۔ کسٹم اور انکم ٹیکس والوں کے سامنے اس دُنیا میں حساب بیباق کرتے ہوئے آپ کو کیا کیا جتن کرنے پڑتے ہیں اور کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ مگر آخرت میں تو، نہ دولت کا کوئی حصّہ کالے دھن کی شکل میں لُکایا چھپایا جاسکے گا، نہ حساب کتاب میں کوئی ہیر پھیر چل سکے گا، نہ کوئی وکیل قانونی موشگافیاں کرنے کے لیے درمیان میں ہوگا، اور نہ کوئی درمیانی کارندہ ایسا ہوگا، جسے رشوت دی جاسکے۔ ذرا آج ہی بیٹھ کر اپنی ایک سال، یا ایک ماہ یا ایک ہفتے یا ایک دن کی دولت کا سچا حساب اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ کر دیکھیے، کیا آپ کا حساب اپنی نگاہوں میں صاف ستھرا ہے؟ اکلِ اموال بالباطل، یعنی ناجائز طریقوں سے مال ہڑپ کرنا، اور صَرفِ اموال برائے تبذیر و اسراف، یعنی گناہ کے ممنوعہ کاموں میں، یا حقیقی ضروریات کو خواہ مخواہ بڑھا چڑھا کر روپیہ اُڑانا، یہ دو بڑی چیزیں ہیں، جن سے اپنے آپ کو بچا لیجیے۔ فقرا یعنی تھوڑی آمدنی رکھنے اور محدود مصارف میں گزربسر کرنے والوں کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ وہ آخرت کی عدالت سے جلد فارغ ہوں گے اور سستے چھوٹیں گے اور دولت مندوں سے بہت پہلے جنّت میں داخل ہوں گے۔ جب کہ امرا کا حساب بڑی دیر میں مکمل ہوگا۔ امام غزالی نے مکاشفۃ القلوب میں یہ تک لکھا ہے کہ انبیاء میں سے حضرت سلیمان علیہ السّلام، اور صلحاء میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تاخیر سے جنت میں داخل ہوں گے، حالانکہ دونوں کے جنتی ہونے میں کوئی شک

نہیں کیا جاسکتا۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے رزقِ کفاف پر اکتفا کرنے کی ترغیب دلائی۔ افلح من اسلم وکان رزقہ کفافا۔ یعنی فلاح پائی اُس شخص نے جس نے اسلام کو اختیار کیا اور جو گذر بسر کی روزی رکھتا ہے۔

ایک سبق یہ دیا کہ دُنیا کو اور اس کے اموال اور نعمتوں کو متاعِ غرور سمجھو اور دُنیا میں اس طرح وقت گذارو جیسے تم پردیسی اور مسافر ہو۔ دوسرا سبق یہ دیا کہ موت کو یاد رکھو، کیوں کہ بالفاظ حضرت انسؓ "موت کی یاد گناہوں کو مٹاتی اور دُنیا پر فریفتہ ہونے سے بچاتی ہے" اور بالفاظ حضرت کعبؓ "جس نے موت کو جان لیا، اُس پر دین کے مصائب اور غم آسان ہو گئے"۔ تیسرا سبق یہ دیا کہ دُنیوی معاملات میں باہمی مفاخرت اور تکاثر سے بچو، تکاثر سے مراد ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ تلقین یہ فرمائی کہ امورِ دُنیا میں اپنے سے کم مرتبہ لوگوں کو دیکھو کہ کثیر التعداد غریب لوگ کس طرح گذر کر رہے ہیں، اور دینی خدمات، سعیِ دعوت و اصلاح انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد برائے غلبۂ حق میں اپنے سے اُوپر والوں کو دیکھو اور اُن سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ جو شخص دوسرے لوگوں کے بنائے ہوئے معیارِ زندگی کی پرستش کرنے لگتا ہے بے بنیاد حسرتوں اور آرزوؤں کے شیش محل کھڑے کرتا ہے، وہ آہستہ آہستہ اس ڈگر پر پڑ جاتا ہے کہ ایک خاص معیار کے مطابق نمائش، آرائش اور آسائش کے اسباب جمع کرنے کے لیے ناجائز آمدنیوں کے راستے نکالے۔ ناکام ہوتا ہے تو قلق و یاس میں پڑ کر نفسیاتی کیس بن جاتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے تو معیار پرستی اُسے خدا اور اس کے بندوں کے لیے مال خرچ کرنے کا اذن نہیں دیتی۔ وہ لازماً اسراف اور تبذیر کے راستے پر پڑ جاتا ہے۔

آج کچھ لوگوں نے یہ کلیہ بنا لیا ہے کہ صاحب! رزق کو حرام کی آمیزش سے پاک رکھنا ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ کلیہ اُن لوگوں کا ہے جو گذر بسر کی حلال روزی پر اکتفا کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ ہزاروں لاکھوں کی آمدنیاں سمیٹنے کے درپے ہیں، اور پلاٹوں، کوٹھیوں، کاروں اور دیگر بڑے بڑے مفاد کو سمیٹنا چاہتے ہیں۔ یہ اپنا کلیہ بیان کر کے، اُن بزرگوں اور نوجوانوں کو مایوس کر کے کسبِ رزقِ حلال کی جنگ میں شکست تسلیم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں جو حرام کی روزی سے بچنا چاہتے ہیں۔ کچھ کچھ لوگوں کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ جب اضطرار اور مجبوری سے کچھ نہ کچھ حرام کی آلائشیں قبول کرنا ہی

پڑتی ہیں تو پھر کیوں نہ کھل کر حرام خوری کی جائے تاکہ کچھ بنے بھی۔ حالانکہ اضطرار اور مجبوری کی رعایت خدا کے ہاں وقتی اور جزئی امور پر تو شاید مل جائے، لیکن حرام کے خوانِ یغما پر کھلے منہ مارنے والوں کا معاملہ ایسا نہیں جس پر وہ خدا کے سامنے معذرت پیش کر سکیں۔

آخر میں مجھے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ ہزار بگاڑ پھیلنے کے باوجود امتِ محمدیہؐ اور خود ملتِ پاکستان میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو حرام کی ترغیبات سے لڑ لڑ کر، رزقِ حلال تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں۔ ہمارے سارے اخلاقی استحکام اور قومی فلاح کا دار و مدار اسی عنصر پر ہے۔ یہ لوگ اگر اٹھ کھڑے ہوں اور رزقِ حلال کو دین کے ایک اہم تقاضے کی حیثیت سے پھیلائیں تو تھوڑی مدت میں اخلاقی لحاظ سے ہمارا نقشہ بدل سکتا ہے۔ حکومت کو قوانین کے ذریعے حرام کے راستے بند کرنے چاہئیں۔ ادیبوں اور صحافیوں کو اپنا زورِ قلم اس مقصد کے لیے صرف کرنا چاہیے، خطیبوں اور واعظوں کو جزئیات پر عوام کو لڑانے کے بجائے اتحاد بین المسلمین اور رزقِ حلال جیسے موضوعات پر کلام کرنا چاہیے۔ مشائخ کو بیعت لیتے ہوئے اپنے مریدوں سے اقرار کرانا چاہیے کہ وہ رزقِ حلال کی پابندی کریں گے، دینی اور سیاسی جماعتوں کے دستوروں میں ایسی ایک شق ضرور ہونی چاہیے کہ ہمارے ارکان کو .... رزقِ حرام سے اجتناب کرنا ہوگا۔ جدید و قدیم معلّمین کو شاگردوں میں یہ جذبہ بیدار کرنا چاہیے کہ اپنی آئندہ زندگی میں حلال و طیب روزی پر اکتفا کریں، خصوصاً ہمارے ہاں کی بیگمات کو یہ طے کر لینا چاہیے کہ وہ حرام آمدنی کو اپنے گھر میں داخل نہ ہونے دیں گی اور نہ گھر والوں سے ایسے اسباب، ایسے لباسوں اور زیورات یا ایسی تقریبوں کا مطالبہ کریں گی، جن کو بہم پہنچانے کے لیے وہ رزقِ حرام کی چراگاہ میں داخل ہونے پر مجبور ہو جائیں۔ نیز وہ عہد کر لیں کہ اپنے کسی بچے کے منہ میں دودھ کا ایک ایسا قطرہ بھی نہ جانے دیں گی جس میں حرام کا زہر ملا ہوا ہو۔ اور ان سب عناصر کو اگر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی پشت پناہی بھی حاصل ہو جائے تو مساعیِ اصلاح میں دس گنا زیادہ زور پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ مہم کچھ عرصہ چلے تو اخلاقی قدروں کی ٹمٹماتی ہوئی شمعیں پوری طرح روشن ہو جائیں اور سارا معاشرہ جگمگا اٹھے۔